السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

حج کی تاریخ اوراس کی اہمیت

الجواب بعون الوہاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ، والصلاة والسلام علیٰ رسول اللہ، أما بعد!

حج کی تاریخ اوراس کی اہمیت

از مولانا سید داوٗد غزنوی

موجودہ زمانے کے علوم و تمدن کی یہ سب سے بڑی برکت بتائی جاتی ہے کہ نقل و حمل کے وسائل اور سیر وحرکت کے حیرت انگیز ذرائع نے قوموں اور ملکوں کا تفرقہ دور کر دیا ہے، بحر و بر کے ڈانڈے مل گئے ہیں اور ساری دنیا ایسی ہوگئی ہے، جیسے ایک مسلسل آبادی کے مختلف محلے اور حصے ہوتے ہیں۔

لیکن اس پر بھی ہم دیکھ رہے ہیں کہ ملکوں کا بعد جس قدر کم ہوتا جاتا ہے، اور قوموں کو ایک دوسرے کے قرب کی آسانیاں مہیا ہو رہی ہیں، دل اور دماغ کا تفرقہ اتنا ہی بڑھتا جاتا ہے، جس قدر تیزی سے بیسویں صدی کی موٹریں دوڑ رہی ہیں اور ہوائی جہاز فضائے آسمانی میں تیر رہے ہیں، اتنی ہی تیزی سے قوموں کے دل بھی ایک دوسرے سے دور اور برگشتہ ہو رہے ہیں۔

لیکن آج سے تیرہ سو برس پہلے جب دنیا موجودہ زمانے کے تمام ذرائع نقل و حمل اور وسائل قرب واجتماع سے محروم تھی، بحر احمر کے کنارے، ریگستان عرب کے وسط میں حجاز کی، وادی غیر ذی زرع، ایک چٹیل اور بے زراعت وادی کے اندر ایک صداء اجتماع بلند ہوئی، اور نسل انسانی کے منتشر افراد کا ایک نیا گھرانہ آباد کیا گیا۔ انسانی اجتماع کی یہ پکار صرف اتنا ہی نہیں چاہتی تھی کہ ملکوں کی سرحدیں اور جغرافیہ کی حدیں ایک دوسرے کے قریب ہو جائیں، بلکہ اس کا مقصد یہ تھا کہ نسل انسانی کے بکھرے ہوئے گھرانوں، پھٹے ہوئے دلوں اور برگشتہ روحوں کو ایک دوسرے سے جوڑ دیا جائے، یہ پکار سنی گئی، کرۂ ارض کے سارے گوشوں، خشکی اور تری کی ساری راہوں سے اس پکار کی بازگشت بلند ہوئی۔ انجن اور بجلی کی برق رفتار سواریوں کے ذریعہ نہیں، تار اور لاسلکی کے گاڑے ہوئے ستونوں پر سے نہیں، بلکہ دل کے اعتقاد اور روح کے ایمان کے ذریعہ اس کی پکار سب نے سنی اور اس کی پکار کا جواب سب کی زبانوں سے نکلا۔

یہ ابراہیم کی پکار تھی۔

یہ اسلام کی دعوت تھی۔

یہ فریضہ حج کی منادی تھی۔

جس نے ملکوں کو اکٹھا کر دیا، قوموں کو جوڑ دیا، نسل اور زبان ومکان کے سارے تفرقے دور کر دیئے، گورے کو کالے کے ساتھ اور بادشاہ کو فقیر بے نوا کے ساتھ ایک ہی مقام میں ایک ہی وضع ولباس میں ایک ہی ایمان واعتقاد کے ساتھ اس طرح جمع کر دیا ہے کہ انسان کے بنائے ہوئے سارے امتیازات مٹ گئے اور انسانی اخوت اپنی اصلی صورت میں بے نقاب ہوگئی۔

تیرہ سو برس سے زائد عرصہ ہوگیا کہ دنیا ہر سال یہ نظارہ دیکھتی ہے کہ مختلف بولیوں کے بولنے والے، مختلف رنگتوں اور مختلف نسلوں کے لوگ سمندروں کو عبور کرکے، پہاڑوں کو طے کرکے کئی کئی مہینوں کی مسافت چل کر دنیا کے مختلف گوشوں کے قافلے حجاز کی مقدس سرزمین پر اس موسم میں خود بخود بغیر کسی خاص انتظام کے پہنچتے ہیں، کیا دنیا کے کسی حصہ میں بھی ایسا منظر نظر آسکتا ہے؟ کیا اس منظر سے بھی بڑھ کر کوئی منظر ہے؟ جو انسانی اجتماع کی ایک حیرت انگیز قوت کا پتہ دے؟

میں جب یہ سوچتا ہوں کہ کس کے ہاتھوں میں اس رشتہ کا سرا ہے جس سے بحر و بر کے یہ تمام گوشے کھینچ لیے جاتے ہیں، تو مجھ پر عالم کیف طاری ہو جاتا ہے اور میں بے ساختہ پکار اٹھتا ہوں کہ اس رشتہ کا سرا اسلام کے ہاتھ میں ہے اور میرا دل پورے یقین اور اذعان کے ساتھ یہ صدا بلند کرتا ہے کہ چھٹی صدی کے صحرا عرب کا اسلام آج بھی انسانی اخوت کی سب سے بڑی زندہ قوت ہے۔

حج کی تاریخ: چار ہزار برس سے زیادہ عرصہ گزرا جبکہ سریر آرائے مسند خلت اور پیشوائے عالماں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام عراق کی سرزمین میں پیدا ہوئے، جہاں کلدانیوں کی حکومت تھی۔ اس زمانے میں اگرچہ یہ دنیا کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ قوم تھی، لیکن انہیں اتنی بھی بصیرت اور سوجھ بوجھ نہ تھی کہ سورج، چاند، ستارے اور مخلوق زوال پذیر ہیں، یہ کبھی بھی معبود اور حاجت روا یا مشکل کشا نہیں ہو سکتے، یہ لوگ ستاروں اور بتوں کی پوجا کرتے، ان میں نجوم فال، رمل، جادو، ٹونے وغیرہ کا خوب چرچا تھا، ہندوؤں میں جس طرح پنڈت اور برہمن ہیں اس زمانہ میں بھی پجاریوں کا ایک گروہ تھا، جو قسم قسم کے ڈھونگ رچاتا، عوام ان کے پھندے میں بری طرح پھنسے ہوئے تھے، انہی پجاریوں کو وہ اپنی قسمت کا مالک سمجھتے تھے اور انہیں کی نیاز مندیوں میں اپنی دولت اور ساری عمر عصرف کر دیتے تھے، ادنیٰ کسان سے لے کر بادشاہ تک سب ہی ان کے پھندے میں پھنسے ہوئے تھے، کیونکہ ان

کا یہ عقیدہ تھا کہ دیوتاؤں کی خوشنودی حاصل ہو۔ اوران کو خوش . . . رکھنا چاہیے ۔ یہ چاہیں تو ہم پر دیوتاؤں کی عنایت ہوگی ۔ ورنہ ہم طرح طرح کے مصائب میں مبتلا ہوجائیں گے ۔

مگرابراہیمؑ کون ابراہیمؑ جسے اللہ نے فرمایا : ''اِذْ جَاءَ رَبَّہٗ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ'' اپنے رب کے حضور قلب سلیم لے کر حاضر ہوا۔ وہ ابراہیمؑ جس کی بے مثل وفاشعاریوں پر فرمایا : ''اِبْرَاھِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰی'' وفادار ابراہیمؑ جب اس نے ہوش سنبھالتے ہی غوروفکر کیا کہ یہ سورج، چانداور ستارے ایک مقررہ پروگرام پتھر کے بت کو جن کو انسان اپنے ہاتھ سے بناتا ہے اور یہ بادشاہ جو ہم جیسے انسان ہیں خدا کیسے ہو سکتے ہیں؟ جب میرا خالق اللہ ہے ، وہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے اور جب بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفا بخشتا ہے اوراسی کے ہاتھ میری زندگی اور موت ہے اور وہی میرے نفع ونقصان کا مالک ہے ، یہ سوچنے کے بعد حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ نے قطعی فیصلہ کرلیا کہ جن معبودوں کو میری قوم پوجتی ہے ان کو میں ہرگز نہ پوجوں گا اوراس فیصلہ کے بعد انہوں نے اپنی قوم سے علی الاعلان کہہ دیا۔

: اِنِّیْ بَرِیْءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ '' جن معبودوں کو تم خدا کی خدائی میں شریک ٹھہراتے ہو، میں ان سے کامل بیزاری کا اعلان کرتا ہوں ''

(اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ (الانعام : ۷۹

میں نے سب درگاہوں سے منہ موڑ کر اس ذات پاک کی نیاز مندیوں اور عبادت گزاریوں کے لیے مخصوص کردیا ہے ، جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اوراب میرا مشرک قوم سے کوئی تعلق نہیں ۔

اس اعلان کے بعد حضرت ابراہیم خلیل اللہ پر مصائب کا ہجوم ٹوٹ پڑا۔ باپ نے کہا، اگر تو اپنے عقیدے سے باز نہیں آتا ہے ، تو میرے گھر سے نکل جا، ورنہ میں تجھے سنگسار کردوں گا، قوم نے کہا کہ ابراہیمؑ کو قتل کردینا چاہیے یا آگ کی چتا میں ڈال کر اُسے بھسم کردینا چاہیے ، بادشاہ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا تو اس نے فیصلہ کیا کہ ابراہیم کو زندہ آگ میں جلا دیا جائے ، مگر اللہ پر کامل یقین رکھنے والا ابراہیمؑ اس سزا کو بھگتنے کے لیے تیار ہوگیا

بجرم عشق تودم می کشند وغوغا ئیست

تو نیز برسر بام آکہ خوش تماشائیست

جب اللہ نے اپنی قدرت سے اس کو آگ میں جلنے سے بچالیا ، تو وہ اپنے گھر بار، عزیز واقارب قوم اور وطن سب کو چھوڑ چھاڑ کر یہ کہہ کر ہجرت کی راہ اختیار کی:

(اِنِّیْ مُھَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ اِنَّہٗ ھُوَالْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ (العنکبوت : ۲۶

میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرتا ہوں، وہ سب پر غالب ہے اوراس کے سارے کام حکمت پر مبنی ہیں۔ وطن چھوڑنے کے بعد حضرت ابراہیمؑ شام، فلسطین، مصر اور عرب کے ملکوں میں پھرتے رہے ۔ آخر عمر میں جب کہ اولاد سے مایوسی ہوچکی تھی، اللہ نے اولاد دی۔ جب اولاد ملی تو اللہ کے اس وفادار بندے کو یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ جس مشن کو پھیلانے میں خود اس نے اپنی ساری عمر صرف کردی کس طرح اولاد کو اپنے بعد اپنے مشن کو جاری رکھنے کے لیے تیار کروں۔

امامت کبریٰ کی تاجپوشی : اس ساری عمر کی اطاعت گزاریوں، وفاشعاریوں، فدائیت اور قربانیوں کے بعد ایک اور مگر آخری قربانی یا آزمائش باقی رہ گئی تھی اور وہ امتحان یہ تھا کہ اس بڑھاپے میں جبکہ پوری مایوسی کے بعد اسے اولاد نصیب ہوتی ہے ، اپنے اکلوتے بیٹے اسماعیل کو اپنے معبود برحق کے لیے قربان کرسکتا ہے ؟ چنانچہ یہ امتحان بھی لے لیا گیا، جب اس امتحان وآزمائش میں بھی حضرت ابراہیمؑ پورے اترے تب اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا کا فیصلہ صادر فرمایا کہ ہاں اب تم اس کے اہل ہو کر تمہیں بنی نوع انسان کا امام بنایا جائے ۔

عالمگیر تحریک اسلام کا مرکز: جب حضرت ابراہیمؑ کو دنیا کی امامت سونپ دی گئی اور وہ اسلام کی عالمگیر تحریک کے امام بنادیئے گئے، تو آپ نے اپنے بڑے صاحبزادے حضرت اسماعیلؑ کو حجاز میں مکہ کے مقام پر رکھا، اسی مقام پر باپ بیٹا دونوں نے دعوت اسلام کے لیے وہ مرکز تعمیر کیا جو کعبہ کے نام سے آج ساری دنیا میں مشہور ہے ، یہ عمارت عام مساجد کی طرح صرف عبادت گاہ نہ تھی بلکہ اول روز سے ہی اس کو دین اسلام کی عالمگیر تحریک کا مرکز قرار دیا گیا تھا، تاکہ ایک اللہ کی عبادت کرنے والے ہر جگہ سے کھینچ کھینچ کر یہاں جمع ہوا کریں، جمع ہو کر اللہ کی عبادت کریں اور اسلام کا پیغام لے کر پھر اپنے اپنے ملکوں کو واپس جائیں، یہی اجتماع تھا جس کا نام ''حج'' رکھا گیا۔

اسلام میں حج کی اہمیت : آج سے ساڑھے چار ہزار برس پہلے حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے اللہ کے حکم سے جبل عرفات پر کھڑے ہو کر یہ منادی کی۔ اللہ کے بندو! اللہ کے گھر کی طرف آؤ، زمین کے ہر گوشے سے آؤ، نزدیک سے آؤ، دور سے آؤ، پیدل آؤ یا سواریوں پر آؤ، حج کے لیے آؤ اور ہر سال آؤ۔

اس کے جواب میں حرم پاک کا ہر مسافر بلند آواز سے کہتا ہے ۔

لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ اِنَّ اا لْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ ۔

میں حاضر ہوگیا ہوں، میرے اللہ میں حاضر ہوگیا ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوگیا ہوں، ساری حمد وثنا تیرے لیے ہے ، ساری نعمتیں تیری طرف سے ہیں، یہ ملک سارا تیرا ہے اور کسی چیز میں تیرا کوئی شریک نہیں'' ۔''

اس طرح لبیک کی ہر صدا کے ساتھ حاجی کا تعلق خالص توحید اور دعوتِ اسلام کی اس تحریک سے جُڑ جاتا ہے ، جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسماعیل ذبیح اللہ کے وقت سے چلی آرہی ہے ، اس وقت ایسا معلوم ہوتا ہے ، کہ 4+ ہزار برس کا فاصلہ بیچ میں سے ہٹ گیا ہے اور ادھر حضرت ابراہیمؑ اللہ کی طرف سے پکار رہے ہیں، اور ادھر حاجی جواب دے رہا ہے ۔ ''لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ

احرام : یہ احرام کیا ہے ؟ جس کے باندھتے ہی حاجی زیبائش وآرائش کی سب چیزیں اتار دیتا ہے اور ایک تہبند اور ایک چادر کے سوا کچھ نہیں پہنتا۔ یہ حضرت ابراہیمؑ کا لباس ہے ، ہر حاجی حضرت ابراہیمؑ کی سرزمین پر پہنچنے سے پہلے اس زائرانہ لباس کو پہنتا ہے ، وہ ہفت اقلیم کا بادشاہ ہو، یا ایک گدائے بے نوا ہو، سب ہی اس سادہ اور درویشانہ طرز کو پہنتا ہے ، وہ ہفت اقلیم کا بادشاہ ہو، یا ایک گدائے بے نوا ہو، سب ہی اس سادہ اور درویشانہ طرز کا لباس اختیار کرتے ہیں، سر کھلا رکھتے ہیں، خوشبو نہیں لگاتے ، بال نہیں بناتے ، ہر قسم کی زینت سے پرہیز کرتے ہیں، عورت مرد کا شہوانی تعلق ان دنوں میں پھنسنے سے جو کچھ آلائشیں ہماری روح کو ملوث کر رہی تھیں۔ وہ صاف ہو جائیں، کبر اور غرور کا لباس اتار دیا جائے اور خدا پرستی کی کیفیت ہمارے ظاہر اور باطن پر طاری ہوجائے ۔

احرام باندھنے کے ساتھ ہی لبیک کی صدائیں تمام حجاج کی زبان سے بلند ہوتی ہیں، وہ ہر نماز کے بعد ہر روز صبح نیند سے بیدار ہونے کے وقت، ہر قافلے سے ملتے وقت ہر بلندی پر چڑھتے اور ہر پستی کی طرف اترتے وقت بلند آواز سے پکارتے ہیں۔ لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ ''میں حاضر ہوں، میرے اللہ میں حاضر ہوں، تیرے حکم کی تعمیل میں حاضر ہوں۔'' دیکھئے یہ کیسا عجیب منظر ہے، مختلف بولیاں بولنے والے، یہ اردو بولنے والے یہ عربی، یہ فارسی، یہ افغانی، یہ ترکی، یہ جادی، یہ حبشی، یہ چینی، یہ روسی، یہ انگریزی بولنے والے ایک ہی بولی بول رہے ہیں اور کس والہانہ انداز میں حضرت ابراہیمؑ کی پکار اور تاجدارِ مدینہ کی دعوت حج پر صدائے لبیک بلند کر رہے ہیں، یہ بار بار کی صدائے لبیک اس درویشانہ لباس کے ساتھ بکھرے ہوئے بال، غبار آلود چہرے اور دور دراز سفر کی تھکان کے ساتھ مل کر یقین جانیے ایسی کیفیت پیدا کر دیتی ہے کہ جس شخص کو یہ سعادت حج حاصل نہیں ہوئی، ہمارے الفاظ قاصر ہیں کہ اس کے سامنے اس کیفیت کی پوری تصویر کھینچ سکیں۔

حاجی اپنی نیاز مندیوں اور والہانہ عقیدت مندیوں کے ساتھ منزل بہ منزل کوچ کرتا ہوا، جب اس آستانہ پر پہنچتا ہے، جس کی طرف خلیل اللہؑ نے دعوت دی، تو وہ آستانہ خلیلؑ کو چومتا ہے۔

پھر اس گھر کا طواف کرتا ہے, جسے اسلام کی دعوت و تبلیغ کے لیے مرکز قرار دیا تھا, اور کئی بار طواف کرتا ہے اور اس بار بار کے چکر لگانے سے وہ چاہت و محبت کی ایک پرانی رسم کو پورا کرتا ہے اور اس کے بعد مقام ابراہیمؑ پر سلامی کی دو رکعت ادا کرتا ہے, پھر یہاں سے نکل کر صفا اور مروہ کے درمیان دوڑتا ہے اور اپنی اس عملی حالت سے اس کا اقرار کرتا ہے کہ یونہی اپنے مالک کے حکم کی تعمیل میں دوڑتا رہوں گا اور سعی و کوشش میں کوتاہی نہیں کروں گا۔ اس کے بعد ہر حاجی کو پانچ چھ روز تک ایک کیمپ کی سی زندگی بسر کرنی پڑتی ہے, ایک دن منیٰ میں گزار کر دوسرے دن عرفات میں بسر کرتا ہے, عرفات میں سارا دن خدا کی حمد وثناء اور دعا میں صرف کرتا ہے اور کیمپ کمانڈر یا امیر حج کا خطبہ سنتا ہے, احکام وہدایات حاصل کرتا ہے اور ایک نئی زندگی کر کے لوٹتا ہے، رات مزدلفہ میں جا کر قیام کرتا ہے، دن نکلتے ہی منیٰ کی طرف کوچ کرتا ہے اور وہاں اس مقام پر کنکریوں سے چاند ماری کرتا ہے، جہاں تک اصحابِ فیل کی فوجیں کعبہ کو ڈھانے کے لیے پہنچ گئی تھیں، کنکریوں کی اس چاند ماری کا مطلب یہ ہے کہ جو دشمن مسجدوں کو ویران کرنے اور اللہ کے دین کو مٹانے کے لیے اٹھے گا، اس کے مقابلہ میں لڑوں گا اور اگر جان کی قربانی دینی پڑی تو قربانی دوں گا۔ منیٰ میں قربانی دی جاتی ہے اور حضرت اسماعیلؑ کی ذبح کی یادگار منائی جاتی ہے۔

پھر یہاں سے حاجی مکہ مکرمہ کی طرف مارچ کرتے ہیں، یہاں پر طواف اور دو رکعتوں سے فارغ ہو کر احرام کھول دیتے ہیں، اور اب حاجی کی زندگی پھر معمولی طور پر شروع ہو جاتی ہے، اس کے بعد حاجی پھر منیٰ کی طرف لوٹتا ہے اور تین دن وہاں کیمپ کرتا ہے، اسلام سے قبل عرب اس مقام پر جمع ہو کر اپنے اسلاف کے کارناموں پر فخر کرتے تھے اور دوسروں کی توہین وتذلیل کرتے تھے، جس کا نتیجہ اکثر جنگ وجدل ہوتا۔ اسلام نے اس آبائی منافرت کی بیہودگی کو خدا کی حمد وثنا میں تبدیل کر دیا اور باہمی جنگ کی جگہ مختلف اقطاع ارض کے مسلمانوں کے باہمی تعارف ومودت، ہمدردی اور اخوت کے رشتہ کو مضبوط بنانے کا ذریعہ بنا دیا۔ منیٰ کے مقام کے بعد حاجی پھر مکہ کی طرف لوٹتا ہے اور بیت اللہ کا طواف وداع کر کے حج سے فارغ ہو جاتا ہے۔

جو کچھ میں نے مختصراً عرض کیا، اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ فریضہ حج جو اسلام کا چوتھا رکن ہے، اس میں عبادت اور ریاضت کے علاوہ سفر کے تجربے، قومی اور ملی اجتماع کے برکات، ایثار و قربانی کے زبردست آثار کس طرح حاجی کے دل و دماغ پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس میں وقت کی قربانی، مال کی قربانی، آرام و آسائش کی قربانی بہت سے دنیوی تعلقات کی قربانی، بہت سی نفسانی خواہشات کی قربانی ہے اور یہ سب کچھ صرف اس لیے ہے کہ اللہ کی رضا حاصل ہو اور اس کی چاہت و محبت کی کیفیتوں کو اس طرح جسم وجاں پر طاری کرے کہ اس کا ایک دیرپا نقش دل پر باقی رہے تاکہ برسوں اس مبارک سفر سے اسے ایک روشنی حاصل ہو، جس سے وہ دنیا کی تاریکیوں، حرم کی مقدس سرزمین پر پہنچ کر جب ان مقامات میں اپنے لیے نور حاصل کر سکے۔ تو دیکھتا ہے، جہاں اللہ کے پیارے بندوں نے توحید کی تبلیغ واشاعت کے لیے مرکز قائم کیا اور اس کے لیے طرح طرح کی مصیبتیں برداشت کیں اور ہر اس (باطل قوت سے ٹکرائے جو ان کی دعوت و تبلیغ کے راستے میں حائل ہوئے۔ (اخبار الاعتصام جلد ٦ شمارہ ٥٠٤

هذا ما عندي والله أعلم بالصواب

[فتاویٰ علمائے حدیث]

جلد 08 ص 10-16

محدث فتویٰ